مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن
(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

جوہر آئینہ

یعنی

آئینہ

جس مین ہماری شاعری نوشتہ جناب مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی
ادیب صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی کی مفصل تنقید ہوگی اسکی جلد اول کی قسط اول

مصنفہ

عالیجناب مولوی محمد احمد صاحب بیخود موہانی (ایم اے) پروفیسر شیعہ کالج لکھنؤ

پبلشر - انوار بک ڈپو

باہتمام احقر زمن محمد حسن

انوار المطابع لکھنؤ مین طبع ہوئی

قیمت

M.A LIBRARY, A.M.U.
U32891

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

بیاور ید گر اینجا بود زباندانی
غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

"گنجینۂ تحقیق" کی اشاعت کے بعد خامۂ حقیقت نگار آرام کی نیند سویا اور
یون سویا کہ سیر و جنبش کی کروٹ تک نہ بدلی اب مدت بعد بیدار ہوا ہے اور

پھر پیش جراحت دل کو چلا ہے شوق — سامان صد ہزار نمکدان لئے ہوئے

پھر جی مین ہے کہ کچھ وقت عزیز تنقید کے دلآویز مشغلہ کی نذر کیا جائے
اور اس نظر سے مین نے "ہماری شاعری" مؤلفہ جناب مولوی سید مسعود حسن صاحب
رضوی ادیب ایم۔ اے۔ صدر شعبہ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی کو انتخاب کیا ہے
جناب مؤلف اور انکی کتاب شعرا و فصحا کے طبقے اور ادبا و کملا کے حلقے مین محتاج
تعارف ہون تو ہون۔ لیکن سررشتۂ تعلیم انھین خوب جانتا ہے سنتا ہون کہ جناب
مؤلف کئی یونیورسٹیون کے ممبر ہین اور انکی یہ کتاب کئی یونیورسٹیون کے نصاب
مین داخل ہے۔ جب یہ کتاب پہلے پہل شائع ہوئی تھی تو ارادہ ہوا تھا کہ اسپر مفصل
تنقید کر دیجائے۔ مگر خیال گذرا کہ ہندوستان ابھی ارباب نکتہ سنج سے خالی نہین کوئی
نہ کوئی اسے تنقید کی کسوٹی پر کس دیگا۔ یہ بلا اپنے سر کیون لیجائے مگر صدائے برنخاست
کا عالم رہا۔ اخبارون مین تقریظون کا غلغلہ رہا رسالون مین تقریظون کا ہنگامہ رہا مگر
تنقید اسپر آجتک ڈھونڈھے نہین ملتی بعض احباب نے ادھر کچھ یونہین سی توجہ بھی فرمائی
اور اچٹتی ہوئی نظر بھی ڈالی مگر وہ ہے بیترے بدل کر رہ گئے اسکا واقعی سبب علام الغیوب ہے

جانے۔ نجانے ارباب نظر نے اسکی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا ضروری سمجھا یا یہ دیکھکر سکوت فرمایا کہ جیسی قدر افزائی ہونی چاہئے تھی ہو رہی ہے۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب سید جالب دہلوی مرحوم سا باخبر اور اہل نظر زندہ تھا ہمدم سا روزنامہ اسکی ادارت پر ناز کرتا تھا مگر اس کتاب کے متعلق اسکا ایک حرف بھی سرمۂ اہل بینش نہ ہوا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب نظم و حیدر طباطبائی سا محقق نہ بنا اہل بزم عالم تھا۔ مگر ہمارے علم و یقین میں اسنے اس کتاب پر قلم نہیں اٹھایا۔ چشم و چراغ کمال و اہل کمال جناب مرزا محمد ہادی رسوا بی۔ ایچ۔ ڈی۔ سا جامع معقول و منقول مایۂ ناز شخص ہستی تھا مگر اس کتاب کے متعلق اسکی کوئی تحریر نظر نہیں آئی۔ ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب چمن کی بہار ہے یا بن کی آگ مگر یہ بی۔ اے کے نصاب میں داخل ظاہر ہے کہ یونیورسٹیوں میں بی۔ اے کا درجہ قریب قریب تعلیم اردو کیلئے آخری درجہ ہے۔ ایم۔ اے کے درجہ میں اردو لینے والے برائے نام ہوتے ہیں اسلئے اگر یہ کتاب مایۂ تحقیق و سرمایۂ تدقیق ہے تو یقیناً بی۔ اے کے نصاب کیلئے ایسی کتاب ملنا مشکل ہے اور اگر خدانا کردہ ایسا نہیں ہے تو نتیجہ ظاہر ہے یعنی

خشت اول چون نہد معمار کج　　تا ثریا می رود دیوار کج

ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ میری کتاب (آئینہ) ہماری شاعری کیلئے تہنیت کا تراانہ ہے مسرت کا شادیانہ ہے یا اردو زبان کا مرثیہ اردو شاعری کا نوحہ ہے

مجھے ہماری شاعری سے متعلق بحث نہیں دکھانا ہے کہ مولف عالم نے کہاں کہاں خوشہ چینی کی ہے اور کہاں کہاں نکتہ آفرینی علمائے بلاغت کے اقوال کہاں کہاں سنور گئے ہیں کہاں کہاں مسخ ہو گئے ہیں مثالیں تحقیق کی آئینہ دار ہیں یا آئینۂ تحقیق کا زنگار۔ مولف کے بدل کی شگفتہ متانت سنجیدہ ظرافت سادہ رنگینی پر کا سادگی سبھی کی داد دینا ہے مگر اصحاب مطبعین ہیں کچھ جو دل سمجھے گا وہی زبان پر لاؤنگا اور جو آنکھ دیکھے گی وہی دنیا کو دکھاؤنگا۔ آئینہ کی جلد اول انشاء اللہ ڈیڑھ سو صفحہ تک جائے گی اور

ص ۱۱ اس مضمون میں جناب مولف کے بعض قولوں اور مثالوں سے بحث کی گئی ہے ارباب نظر کو کچھ کہنے کی گنجائش ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آخری اشاعت صفحہ ۵۶

ہماری شاعری کا مقدمہ

CHECKED-2002

ارشاد جناب ادیب "مناسبت الفاظ" اس کی دو صورتیں ہیں ایک لفظ کی مناسبت خیال سے۔ دوسری لفظ کی مناسبت لفظ سے پہلی صورت بلاغت کلام میں داخل ہے۔ دوسری فصاحت کلام میں پہلی صورت کی پھر دو حیثیتیں ہیں ایک مناسبت آواز کے اعتبار سے دوسرے مناسبت معنی کے اعتبار سے۔ اس طرح مناسبت الفاظ کی تین شکلیں ہوئیں۔ ذیل میں ہر شکل کا بیان کسی قدر تشریح کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

لفظ کی مناسبت خیال سے بہ اعتبار آواز کے۔ بعض لفظوں کی آواز نرم اور نازک ہوتی ہے۔ بعض کی سخت اور کرخت بعض کی آواز شیریں اور لطیف ہوتی ہے۔ بعض کی بھیانک اور مہیب اس لئے جیسی بات کہنا ہو ویسے ہی لفظ لانا چاہئے محبت کا اقرار نرم لفظوں میں ہونا چاہئے۔ غصے کا اظہار سخت لفظوں میں ایسا کرنے سے لفظوں کی آواز اُن کے معنی کو اور بھی واضح

کر دیتی ہے اور کلام کا اثر بڑھ جاتا ہے۔

مناسبت الفاظ کی پہلی صورت کی مثالین

جو تمھاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا تمھین منصفی سے کہدو تمھین اعتبار ہوتا

اس شعر مین عاشق معشوق سے وعدہ خلافی کی شکایت کرتا ہے اس لئے ایسے ہی نرم الفاظ مناسب تھے کہ محبوب کے نازک دل پر گران نہ ہون۔ اور جو اثر مطلوب ہے وہی پیدا ہو۔ لیکن اگر کوئی فوجی افسر ماتحت سپاہیون سے عدول حکم پر باز پرس کرنے مین اسی طرح کے الفاظ استعمال کیا کرے تو جو اثر ہوگا وہ ظاہر ہے"

التماس بیخود۔ مؤلف علام نے شعر مذکورۂ بالا کے الفاظ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ معشوق سے وعدہ خلافی کی شکایت مین ایسے ہی نرم الفاظ مناسب تھے کہ محبوب کے نازک دل پر گران نہ ہون۔ اب مین حیران ہون کہ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے اگر نرم الفاظ یہی ہین تو سخت الفاظ کیسے ہوتے ہین۔ مصرع اول "جو تمھاری طرح" سے شروع ہوتا ہے یعنی اشارہ کنایہ سے کام نہین لیا جاتا۔ ادائے مطلب کے لئے کسی اور واقعہ یا فرضی قصہ کی ضرورت نہین سمجھی جاتی بلکہ معشوق خود ہی مثال مین پیش کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ جس کلام کی ابتدا اس دریدہ دہنی سے کی جائے وہ درشت مزاج آدمی کو آمادۂ جنگ کر دے گی اور نازک مزاج آدمی کو ہمیشہ کے لئے متکلم کی صورت کیسی نام سے بیزار کر دے گی یہ انداز کلام

ایک بدمعاش ایک مجرم کے مقابلہ مین برمحل ہو تو ہو کسی نازک دل کسی نازک مزاج کے لئے تو دشنام سے کم نہین پھر وہ نازک دل نازک مزاج کوئی اور بھی نہین خود معشوق ہے ایسی صورت مین ایسی مثال کہانتک مناسب ہے اس کا فیصلہ ارباب نظر کر سکتے ہین اچھا اور آگے بڑھئے؟

"تم سے" دیکھئے ضمیر کس قدر نزاکت اور نرمی کا پہلو لئے ہوئے ہے یاد رہے کہ یہ محل شکایت ہے اور شکایت بھی نازک مزاج اور نازک دل معشوق سے جسے آمادۂ رحم کرنا منظور ہے اب ظاہر ہے کہ اس شکایت کا انجام صلا نشد بلا شد ہے۔

۳ "جھوٹے وعدے کرتا"۔ یہان تو نرمی کی حد ہو گئی یہ ایسے معشوق سے سے کہا جا رہا ہے جو نازک مزاج اور نازک دل ہے اور کس بیباکی سے کہ تم جھوٹے وعدے کرتے ہو۔

۴ "منصفی سے کہدو"۔ تم نامنصف بھی ہو۔

۵ "منصفی سے کہدو تمھین اعتبار ہوتا" یعنی غیر تو غیر تم خود بھی اعتبار نہ کرتے۔

مختصر یہ کہ دو مصرعون مین اتنی نرمیان موجود ہین۔ تمھاری طرح تم جھوٹے ہو۔ تم نامنصف ہو۔ تم اعتبار کے قابل نہین۔

اگر معشوق حقیقتاً نازک دل اور نازک مزاج ہوتا اور کسی سچے اور مہذب عاشق کو یہی ضرورت پیش آتی تو وہ یون کہتا ؎

مر بجان یون جو تم سے کوئی ایسے وعدے کرتا تمھین اپنے دل مین سوچو تمھین کیا خیال ہوتا

ایسوں سے شکایت یوں کی جاتی ہے واقف ملتانی کہتا ہے ؎

مکدر گرنہ گردی با تو گویم کہ با مشتِ غبار من چہ کردی

کہا تھا بے وفا اک روز مین نے
ستمگر نے شکایت عمر بھر کی

سراج لکھنوی

اگرچہ آخری شعر مذاق عاشقان صادق مین پست مرتبہ کا ہے مگر معشوقان نازک مزاج کے ایک انداز کا آئینہ دار ضرور ہے۔ مین نے اس شعر کو پست بتایا ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ اپنی اس بے محابا جرأت پر کہ معشوق کو بے وفا کہدیا عاشق کو عمر بھر کے بعد ندامت نہین بلکہ اب دوسرا گناہ کرتا ہے جو پہلے سے کہین زیادہ سنگین ہے یعنی معشوق کو ستمگر کہتا ہے۔

اتنا کہدینے کے بعد اہل ذوق و ارباب نظر کے لئے کچھ اور بیان کرنے کی ضرورت نہین رہتی مگر حقیقت مین سمجھانا اُن کو ہے جو اسوقت تک اچھی طرح نہین سمجھتے جب تک کافی توضیح نہ کیجائے (طلبہ اور عوام) اسلئے اپنی دی ہوئی مثال کے متعلق کچھ کہنا ضروری نظر آتا ہے۔

مصرع اول شروع ہوتا ہے "مریجان" سے اور ماہر نفسیات جانتا ہے کہ سخت بات کہنے مین ایسے الفاظ اور ایسا انداز اختیار کرنا چاہئے کہ مفہوم کلام کی کراہت قلب سامع کو زیادہ تکلیف نہ دے اور یہی سبب ہے کہ آغاز کلام "مریجان" سے کیا گیا ہے جس سے زیادہ پیار اور محبت کا اظہار کسی اور لفظ سے مشکل نظر آتا ہے تا کہ

سننے والا سمجھ لے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے بمقتضائے محبت کہا جا رہا ہے۔
یہ ملامت گر کی ملامت ہے نہ واعظ کا وعظ نہ رندوں اور آزادوں کی
پھبتی نہ غیروں یا دشمنوں کا آوازہ بلکہ یہ بات وہ شخص کہہ رہا ہے جو
تم کو اپنی جان کے برابر ہی نہیں بلکہ اپنی جان سمجھتا ہے۔

پہلے شعر میں جو مفہوم "تمھاری طرح" کے ٹکڑے میں ادا کیا گیا ہے
وہ دوسرے شعر میں صرف "یوہیں" کہکر ادا کر دیا گیا ہے اور یہ بات
مؤلف علام کو زیادہ پسند آئے گی اس لئے کہ وہ اختصار کے شیدائی ہیں۔
دوسرا فرق جو اسی ٹکڑے سے پیدا ہو گیا ہے نازک ہے اور زیادہ
نازک اور وہ یہ ہے کہ "تمھاری طرح" سے صرف اتنا مفہوم نکلتا ہے
کہ معشوق برابر وعدہ خلافیاں کرتا چلا آتا ہے ایک دن عاشق نے
اس سے شکایت کی جو شعر میں مذکور ہے۔ مگر "یوہیں" کی لفظ میں
یہ سب باتیں شامل ہیں اور اسقدر مستزاد ہے کہ اس وقت بھی معشوق نے
کوئی ایسی بات کہی ہے جس پر "یوہیں" کہا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب
کسی ایسے موقع پر کوئی بات کہی جاتی ہے جب مخاطب سے کوئی ایسی
ہی بات ظہور میں آئی ہو تو وہ زیادہ متاثر ہوتا ہے ورنہ درصورت انکار
واقعات یاد دلانے پڑتے ہیں کبھی حریف اُن کا اقبال کرتا ہے
کبھی انکار۔

۴ "تمھاری طرح" ہر شخص جانتا ہے کہ صحت لفظی و معنوی کے
اعتبار سے "طَرَح" بحرکت راے مہملہ اور "طَرْح" بسکون راے غیر منقوطہ

مین کوئی فرق نہین مگر رازداران ادب جانتے ہین کہ صرف صحت لفظی اور ہے اور فصاحت اور طرح کہنے مین "ح" کچھ اوچھل سی جاتی ہے اور وہ لطافت و شیرینی اُس مین نہین رہتی جو طرح مین ہے اور کسی کو رام کرنے مین وہ الفاظ جادو کا اثر رکھتے ہین جن مین نرمی روانی اور شیرینی ہو۔

۵ "تم سے" کہا جا سکتا ہے کہ "تم سے" شعر اول مین بھی تھا اور شعر آخر مین بھی ہے، وہان کیون بے محل تھا یہان کیون برمحل ہے اس کا جواب صاف ہے وہان یہ ٹکڑا "تمھاری طرح" کے بعد واقع ہوا تھا۔ اور یہان "مریجان یوہین" کے نرم و لطیف و محبت خیز ٹکڑے کے بعد واقع ہوا ہے۔ اور "مریجان" کی لطافت اور پیار نے تم کے سوا آپ اور جناب کی گنجایش ہی نہین رکھی یہان یہ باتین پیار اور محبت کی ہین اور وہان شکایت تھی اور وہ بھی درشت لہجے مین۔

۶۔ کوئی ایسے وعدے کرتا۔ ایسے کی بلاغت قابل دید و قابل داد ہے اس لئے کہ معشوق جس کی وعدہ خلافیون کی شکایت کرنا مقصود ہے بلکہ جس کے اس طرز عمل کی اصلاح منظور ہے وہ خود بھی خوب جانتا ہے کہ وہ کیسے وعدے کرتا ہے جھوٹے یا سچے اس لئے اگر اُس کا دل ہی دُکھانا مطلوب ہو جو شان عاشقی کے خلاف ہے تو عاشق کو اختیار ہے جو چاہے کہے ورنہ حقیقت مین جھوٹے وعدے کرنے والے نازک مزاج و نازک دل معشوق سے ایسے وعدے سے زیادہ بلیغ

مہذب اور آمادہ رحم کرنے والے لفظ غالباً اس محل کے لئے خلق ہی نہیں ہوئے اور اس شکایت کے مزے معشوق نازک دل و نازک مزاج ہی اُٹھائے گا کہ ظالم نے ملامت بھی کی تو کس دلکش اور پیارے انداز سے اور عاشق کی مرتبہ دانی نکتہ سنجی اور موقع شناسی پر اس کی طبیعت بے اختیار مائل ہوگی اور اس کا میلان ہی منتہائے آرزو ہے ۔

۷۔ "تمھیں اپنے دل میں سوچو" یہ ٹکڑا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ عاشق معشوق کو نامنصف نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ تمھارے ایسے وعدے خدانا کردہ میرا دل دُکھانے یا مجھے محروم رکھنے کے لئے نہیں ہیں نہ اس وجہ سے ہیں کہ تم خود بے انصاف نہیں رکھتے بلکہ تمھارا یہ برتاؤ بے خیالی اور متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ تم جھوٹے نہیں وعدہ خلاف نہیں نامنصف نہیں دل آزار نہیں بات اتنی ہے کہ تمکو ان امور پر غور کرنے کا خیال ہی نہیں آیا موقع ہی نہیں ملا ورنہ تم اور ایسا کرتے معاذ اللہ +

۸۔ "تمھیں کیا خیال ہوتا" کہا یہی کہ تم کو خود ایسے وعدوں پر اعتبار نہ آتا مگر اس دل آویز انداز سے کہ بایدو شاید وہ خود اُسے جھوٹا کہنے کی جرأت نہیں کرتا بلکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا اس لئے کہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس عبارت کا مفہوم کیا ہے +

دفع دخل ۔ کہا جا سکتا ہے کہ مؤلف کے پیش کردہ شعر کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ حقیقت میں مرزا داغ علیہ الرحمہ سے کہا گیا ہے

مگر مین عرض کرون گا نہین ایسا نہین ہے اس لئے کہ ہر عاشق کا فرض یہ ہے کہ اپنے معشوق کے عادات و شمائل طرز بود و ماند ادا و اخلاق سے، واقف ہو اور جانتا ہو کہ معشوق نازک مزاج ہے یا بھولا یا بالا بلند فطرت ہے یا پست فطرت عالی خاندان ہے یا مجہول النسب عصمت مآب ہے یا عصمت فروش تربیت شریفانہ پائی ہے یا نہین بد مزاج ہے یا خوش مزاج تاکہ اُس کی حماقت سے بنا بنایا کھیل بگڑنے نہ پائے اس لئے مرزا داغ مرحوم نے جس محل پر کہا ہے بر محل کہا ہے ہان اگر مرزا ے مرحوم کا دعوی ہوتا کہ یہ شعر نازک دل نازک مزاج معشوق سے وعدہ خلافیون کی شکایت کے محل پر کہا گیا ہے تو بیشک اُن کی خدمت مین بھی وہی عرض کیا جاتا جو ہماری شاعری کے مؤلف کی خدمت عالی مین عرض کیا گیا

آخر مین کہنا ہی پڑتا ہے کہ ارباب نظر دیکھین کہ ہمارے جناب ادیب کہان تک ادب آشنا ہین۔

آخری اشاعت

ہماری شاعری صفحہ ۴۸

کا مقدمہ

ارشاد حضرت ادیب (۲) "اختصار یعنی کم سے کم لفظون مین مطلب ادا کیا جائے اور ضرورت سے زیادہ بات کو طول نہ دیا جائے اگر طول مناسب مقام ہو طول فضول نہ ہو تو وہ اختصار کے منافی نہیں ہے اختصار سے یہ مطلب ہے کہ کوئی لفظ اور کوئی فقرہ بے ضرورت اور

بیکار استعمال نہ کیا جائے۔

اختصار کی جو تعریف یہاں کی گئی ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لفظ "ایجاز" کی قدیم اصطلاح کا مرادف نہیں ہے ایجاز ہو یا اطناب یا مساوات اگر مقتضائے مقام کے موافق ہوگا تو اختصار کے تحت میں آجائے گا۔

ذیل کی مثالوں سے واضح ہو جائے گا کہ جتنا مطلب کسی عبارت میں ادا کیا گیا ہے اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ اُس عبارت میں سے کچھ لفظ نکال ڈالنے کے بعد بھی ادا ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اختصار سے کلام کا اثر بڑھ جاتا ہے۔"

التماس بیخود۔ اس وقت مصنف علام کی وہ حالت نظر آتی ہے جو مرض کے بحران اور مادہ کے ہیجان میں ہوتی ہے۔ معجز بیانی دیکھئے کہ اختصار کے سمجھانے میں کس قدر طول دیا جا رہا ہے ملاحظہ ہو۔

"اختصار یعنی کم سے کم لفظوں میں مطلب ادا کیا جائے"۔ دل کی بات سمجھا دینے کے لئے یہی ایک جملہ کافی تھا پھر بھی دوسرا جملہ آتا ہے "اور ضرورت سے زیادہ بات کو طول نہ دیا جائے"۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جملہ پہلے جملے سے کچھ زیادہ نہیں سمجھاتا۔ اگر طول مناسب مقام ہو، اتنا ہی ٹکڑا کافی تھا اس پر یہ ٹکڑا مستزاد کیا جاتا ہے "طول فضول نہ ہو"۔ یہاں تک پہونچکر بھی بے بدل انشا پرداز

کی تسکین نہین ہوتی اب یہ لکھا جاتا ہے۔ اختصار سے یہ مطلب ہے کہ کوئی لفظ اور کوئی فقرہ بے ضرورت اور بیکار استعمال نہ کیا جائے لفظ فقرہ کا جزو ہوتا ہے اس لئے کوئی فقرہ بلکہ کوئی لفظ کہنے کا محل تھا جہان یہ اُلٹی گنگا بہائی گئی ہے اگر فقرہ کے بعد لفظ "کی لفظ آتی تو تاکید اور زور کلام کا فائدہ دیتی مگر یہان یہ بات بھی نہ پیدا ہوئی سب کے آخر مین "بے ضرورت" کے بعد بیکار لکھنا بھی تحصیل حاصل ہے۔ اور منافی اختصار۔

"ہماری شاعری" جب اول مرتبہ شائع ہوئی تھی تو اس مین اختصار کے متعلق اُتنی ہی عبارت صفحہ ۳۰ مین تھی جتنی یعنی کم سے کم لفظون سے شروع ہو کر بے ضرورت اور بے کار استعمال نہ کیا جائے پر ختم ہوتی تھی اس پر کسی اللہ کے بندہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ حضرت اختصار کی دھن مین ایجاز۔ مساوات۔ اطناب کے گلے پر چھری پھر گئی۔ آخری اشاعت مین مصنف علام نے اُس کا جواب ان لفظون مین دیا ہے۔

اختصار کی جو تعریف یہان بیان کی گئی ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لفظ ایجاز کی قدیم اصطلاح کا مرادف نہین ہے۔ ایجاز ہو یا اطناب یا مساوات (کیسی صحیح اور با محاورہ اُردو ہے) اگر مقتضائے مقام کے موافق ہوگا تو اختصار کے منافی نہین۔۔۔۔

۔۔۔۔ اِس کے متعلق یہ عرض کرتا ہے کہ جب علماء بلاغت نے ان تمام باتون کیلئے

پہلے ہی۔ اصطلاحین معین فرمادی ہین تو اس زحمت فرمائی کا آل سمجھ مین نہین آتا اتنے لفظ پہلے سے مشہور چلے آتے ہین۔

کلام جامع و مانع۔ جس مین کوئی ضروری جزو چھوٹ نہ جائے اور کوئی غیر ضروری جزو بڑھ نہ جائے فضول الفاظ کے لئے حشویات و زوائد۔ کلام مختصر کے لئے ایجاز۔ کلام طولانی کے لئے اطناب۔ کلام متوسط کے لئے مساوات، ایجاد اصطلاح کی ضرورت اُسوقت پیش آتی ہے جب پہلے سے کوئی لفظ ان مطالب کے ادا کرنے کے لئے موجود نہو اس لئے یہ ایجاد غیر ضروری ہے۔ اور لا مشاحۃ فی الاصطلاح کی سپر یہان آڑے آتی نظر نہین آتی +

اب ہم مؤلف بے بدل کی اُن مثالون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو اس دعوے کے ثبوت مین پیش کی گئی ہین۔

اشاعت آخر

ہماری شاعری کا مقدمہ صفحہ ۴۸ و ۴۹

ارشاد حضرت ادیب۔ "ذیل کی مثالون سے واضح ہوجائے گا کہ جتنا مطلب کسی عبارت مین ادا کیا گیا ہے اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ اس عبارت سے کچھ لفظ نکال ڈالنے پر بھی ادا ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ اختصار سے کلام کا اثر بڑھ جاتا ہے۔ پہلی مثال مرزا دبیر مغفور کی ایک رباعی ہے۔

نادان کہون دلکو کہ خردمند کہون — یا سلسلۂ وضع کا پابند کہون
دبیر اک روز خدا کو منھ دکھانا ہی دبیر — بندونکو مین کس منھ سے خداوند کہون

کسی نے اس مضمون کو یون ادا کیا ہے :-

دل کو نادان کہون یا وضع کا پابند کہون
مجھسے ہوتا نہین بندونکو خداوند کہون

"اس شعر کے پہلے مصرع مین اوپر کی رباعی کے پہلے دو مصرعون کا مضمون پورا سما گیا ہے اور مجموعی حیثیت سے یہ شعر خوبصورتی روانی اور اثر مین اس رباعی سے کس قدر بڑھ گیا ہے یہ زیادہ تر اختصار کلام ہی کا نتیجہ ہے"

التماس بیخود - اس مین تو شک نہین کہ اختصار بھی کلام کی ایک خوبی ہے مگر اسی حالت مین جب کہ جو کچھ کہنا ہے سب مختصر لفظون مین خوبصورتی سے کہہ لیا جائے - دیکھنے کی بات یہ ہے یہان مثال مین ایک تو رباعی ہے جس مین چار مصرعون کا پڑھنا ضروری ہے اور وہان صرف ایک شعر ہے اور وہ بھی جس بحر مین ہے وہ پکارتی ہے کہ اسمین اتنے ہی کم لفظ سما سکتے ہین اس لئے یہ تقابل صحیح ..... نہ ٹھہرا جو شخص اوزان رباعی سے واقف ہے وہ اس رباعی مین جناب مؤلف کے پیش کردہ شعر سے کہین زیادہ خوبصورتی روانی برجستگی لطف زبان حسن محاورہ چستی بندش تاثیر اور خدا جانے کیا کیا پاتا ہے اور اضافہ معنی مستزاد بران - یہ رباعی سے آنے کے معنی نکالنا اچھا ہے

جناب دبیر کی رباعی ایک مسلسل داستان ہے اور خیال کی سیر کا دلکش مرقع۔ اور مؤلف کا پیش کردہ شعر اُس کا ایک جزو ناقص نظر آتا ہے مین پہلے مؤلف کے پیش کردہ شعر کی توضیح کردون تاکہ رباعی دبیر کی توضیح خود ہی دونون کا فرق ظاہر کردے۔

شعر مؤلف کی توضیح۔ اگرچہ دنیا والون کی دیکھا دیکھی میرا بھی جی چاہتا ہے کہ بندون کو خداوند کہون اُن کی خوشنودی حاصل کرون نفع اُٹھاؤن اپنی عزت بڑھاؤن مگر کیا کرون اپنے دل سے مجبور ہون مجھ سے تو بندون کو خداوند نہین کہا جاتا اب چاہے اسے میرے دل کی حماقت سمجھو چاہے وضع کی پابندی کہہ لو سچ ہے یون کہ مین اپنی فطرت سے مجبور ہون اس کا بدلنا میرے بس کی بات نہین۔ اس مین شک نہین کہ مجھ سے ہوتا نہین، کا ٹکڑا بہت ہی خوبصورت ہے مگر دبیر کی رباعی مین کس منھ سے کا ٹکڑا اس کا بدل ہو سکتا ہے

توضیح رباعی دبیر

نادان کہون دل کو کہ خردمند کہون | یا سلسلۂ وضع کا پابند کہون
اک روز خدا کو منھ دکھانا ہے دبیر | کس منھ سے مین بندون کو خداوند کہون

ایک شخص ہے کہ بندون کے لئے سرکار اور خداوند کے الفاظ اُسکی زبان سے نہین نکلتے اور اُس کے دنیوی مفاد مین خلل پڑتا ہے اس لئے کہ خوشامد پسندی اکثر صاحبان جاہ کی خو بگڑ کر سرشت ہو جایا کرتی ہے وہ حیران ہے اور سوچ رہا ہے کہ آخر حقیقت کیا ہے میرا دل نادان ہے

یا عقلمند یعنی ایسا کرنے مین حق بجانب ہے یا غلط کار اب سلسلۂ خیال آگے بڑھتا ہے اور کہتا ہے ممکن ہے کہ میرے دل کے اس فعل کا تعلق نہ دانائی سے ہو نہ نادانی سے بلکہ زنجیر وضع مین جکڑے ہونے کے سبب سے ہو مگر تسکین قلب نہین ہوتی خیال کچھ اور آگے بڑھتا ہے اور سوچتے سوچتے حقیقت پردہ فگن ہوتی ہے اور اصل راز اُسکی سمجھ مین آتا ہے اور وہ بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے "اچھا اب مین سمجھا میرے دل کا یہ فعل وحدانیات صحیح کی بنا پر ہے اور اس کی شرح یہ ہے کہ ایک دن (روز قیامت) خدا کا سامنا کرنا ہے جس کے سوا نہ کوئی خداوند ہے نہ اس جلیل القدر نام سے پکارے جانے کے قابل ہے مین بندون کو خداوند کہنے کی جرأت کہان سے لاؤن۔ مختصر یہ کہ اس شعر مین اتنے عالمون کا ذکر ہے۔ عالم حیرت سؤال کا پیدا ہونا خیال کا غیر واقعی اسباب کو اسباب حقیقی سمجھنا۔ کبھی اپنے اس فعل کو نادانی کی کارفرمائی جاننا کبھی دانائی کی کرشمہ سازی گردانا۔ پھر وضعداری کی طرف خیال کا جانا۔ پھر دلیل کا قائم ہونا اور اس کے بعد اصل حقیقت کا ذہن مین آنا جس پر انشراح خاطر ہونا ضروری ہے آخر مین دل کے اس فعل کو وحدانیات کی معجزہ آرائی کا نتیجہ پانا یعنی یہ سمجھنا کہ دل کا اس امر سے ابا کرنا بمقتضائے فطرت عالیہ ہے اور یہ وہ مقام ہے جہان اہل دل کے لئے سجدۂ شکر مین گرنا واجب ہو جاتا ہے۔

نادان کہوں انکو کہ خردمند کہوں ۔ یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک وز خدا کو منھ دکھانا ہے دبیر ۔ کس منھ سے میں بندوں کو خداوند کہوں

شاعر کا خیال اسوقت عالم حیرت کی سیر کر رہا ہے آپ اسی عالم کی دوسری منزل کا تماشائی ہے آپ دلیل قائم ہوتی ہے اور اصل راز منکشف ہوتا ہے آپ آخری فیصلہ ہوتا ہے اور شاعر اپنے فعل کو محمود سمجھتا ہے۔

معنوی خوبیاں مختصراً بیان کیجا چکیں اب لفظی خوبیاں مجملاً دکھائی جاتی ہیں "نادان" و "خردمند" میں صنعت تضاد ہے "سلسلہ" و "پابند" میں مراعات النظیر ہے "خدا کو منھ دکھانا" اور "کس منھ سے" وہ الفاظ جمع ہو گئے ہیں کہ مذاق سلیم وجد کرتا ہے اس لئے کہ ان الفاظ کے جمع ہونے میں تکلف و تصنع کو دخل نہیں۔

دوسرے شاعر نے خردمند کا ٹکڑا اڑا دیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس میں اتنے معنی پوشیدہ تھے کہ ابھی تک متکلم نہ اپنے فعل کو نادانی سمجھ سکا ہے نہ دانائی اور عالم حیرت کے نظاروں میں سے یہ نظارہ حذف ہو گیا صرف نادان کہوں اور پابندی وضع کے ٹکڑے پہلے مصرع سے اسکے پھر بھی جو کچھ مؤلف کے پیش کردہ شعر میں رہ گیا ہے وہ جناب دبیر کی رباعی کی کرامت ہے اس لئے کہ یہ شعر اگرچہ ناقص ہے مگر ہے اسی رباعی کا خلاصہ سچ کہا ہے کہنے والے نے الولد سر لابیہ اسوقت جناب دبیر کی روح یہ کہتی ہے

تم نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
یہ اگر سچ ہے تو ایجان اسے کیا کہتے ہیں

ہماری شاعری کا مقصد آخری اشاعت

صفحہ ۴۹

ارشاد جناب ادیب "دوسری مثال۔ خدائے سخن میر تقی میر کا ایک شعر ہے

میر

بیکسی مدت تلک رسا کی اپنی گور پہ
جو ہماری خاک پر سے ہو کے گذرا رہ گیا

اس شعر کو مختصر کر کے یوں بھی پڑھ سکتے ہیں ؎

بیکسی برسا کی اپنی گور پہ
جو ادھر سے ہو کے گذرا رہ گیا

دونوں مصرعوں سے کچھ لفظ کم کر دئے گئے مگر معنی میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ کچھ زیادتی ہو گئی "مدت تلک" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اب بیکسی نہیں برستی ان لفظوں کو نکال ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والے نے صرف گذشتہ زمانے کے بارے میں ایک خبر دی ہے اور زمانۂ حال کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ اس لئے کوئی چیز ہمیں اس خیال سے نہیں روکتی کہ اب بھی بیکسی برستی ہے"

التماس بجو۔ اس مقام پر جناب ادیب نے ایسی ستم ظریفی کی ہے کہ اس کی داد دینا گناہ ہے آپ نے میر علیہ الرحمہ کے نام کے ساتھ اُن کا مشہور خطاب لکھدیا ہے یعنی خدائے سخن پھر اپنی بندگی کو معراج پر پہونچانے کے لئے اُسی خدا کے کلام میں اصلاح بھی فرمادی ہے اور کرنا بھی یہی چاہئے تھا اب وہ زمانہ کہاں ہے جب کہ بندے خدا کی خدائی پر ایمان لاتے ہی اسکے کلام پر اعتراض کرنا شان بندگی کے

خلاف سمجھتے تھے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس بندہ معصوم اس بھولے بھالے نقاد کو یہ خبر نہیں کہ اُسنے "خدائے سخن" کی جناب میں کیسی گستاخی اور دریدہ دہنی کی ہے اس لیے کہ ارشاد ہو رہا ہے کہ کچھ الفاظ کم کر دینے سے معنی میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ کچھ اور زیادتی ہوتی ہے اس کے معنی تو یہی ٹھہرے کہ میر کے شعر میں اتنے الفاظ بیکار رکھے گئے تھے جنھیں اصطلاح میں حشو یا زوائد کہتے ہیں جب یہ الفاظ ضرورت سے زائد تھے تو ان کا عبث ہونا ظاہر ہے کسی کو خدا کہنا (وہ مجازاً ہی سہی) اور ساتھ ہی ساتھ اُس کے نقص کی طرف اشارہ کرنا دانشمندانہ فعل نہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے الفاظ کے کم کر دینے سے معانی و لطافت شعر میں کھلی کھلی کمی ہو گئی ہے یہاں جناب ادیب کو اپنا وہ ارشاد یاد نہیں رہا جو ہماری شاعری (آخری اشاعت) کے صفحہ ۵۹ پر ان لفظوں میں نظر آتا ہے:-

ارشاد حضرت ادیب بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کئی لفظ ایک ہی چیز پر دلالت کرتے ہیں مگر ان لفظوں کے لغوی معنی یکساں نہیں ہوتے اس لیے اُس کا اثر بھی یکساں نہیں ہوتا مثلاً رزاق، قہار، غفار، خلاق، ان سب لفظوں سے مراد خدا ہی ہے۔ مگر ہر لفظ سے خدا کی ایک خاص صفت ظاہر ہوتی ہے اس لیے اُن لفظوں کو استعمال کرتے وقت مناسبت مقام کا لحاظ رکھنا

ضروری ہے اگر خدا سے رزق مانگنا ہو تو رزاق کہکر پکارئیے ۔ الخ
التماس بیخود۔ مختصر یہ کہ شعر کی اصلاح فرمائی تھی تو میر کو خدائے سخن
کے بجائے کسی ایسے خطاب سے یاد کرنا تھا جو مناسب مقام ہوتا
اس شعر مین۔

بیکسی مدت تلک برسا کی اپنی گور پر جو ہماری خاک پر سے ہو کے گذارہ گیا

بقول مؤلف دو ٹکڑے زائد تھے ۔ مدت تلک ۔ اور ہماری خاک ۔

مولف علام کی ترمیم سے شعر کے معنی یہ ہو گئے کہ ہماری گور پر ہمیشہ
بیکسی برستی رہی اور جو اس طرف سے ہو کے گذرا وہ رویا ضرور اور یہی
اضافہ معنی ہے سبحان اللہ سبحان اللہ کیا کہنا ۔ یہ سخن فہمی عالم بالا معلوم شا
کہنے کا محل ہے مصنف شعر (میر تقی) یہ نہین کہتا بلکہ کچھ اور کہتا ہے
وہ یہ کہ ایک زمانہ دراز تک ہماری قبر پر بیکسی برستی رہی اس کے بعد
کے زمانے کا حال لفظاً کچھ بیان نہین کرتا مگر یہ ٹکڑا ہے معنی خیز اور
بتا رہا ہے کہ ایک مدت تک یہ عالم رہا یعنی بیکسی برستی رہی اور اب نہین
برستی اس لیے کہ اب نہ قبر باقی ہے نہ نشان قبر بیکسی برسے تو
کس پر برسے "مدت تلک" کا ٹکڑا واقعیت سے دست و گریبان ہے
اور صرف برساکی مین ہمیشگی کی شان نکلتی ہے جو بیکسی کے خلاف ہے
واقعہ کے خلاف ہے قیاس کے خلاف ہے وہ یون کہ جس قبر کا کوئی
پرسان نہو وہ ایک زمانہ تک رہے گی پھر قبر کیسی نشان قبر بھی نہ رہے گا
مانا کہ اُدھر سے کوئی سڑک نہ نکلی کوئی بستی وہان نہ بسی زراعت نہ ہوئی

مردے کی ہڈیان نکال کر کوئی اور لاش نہ دفن کی گئی پھر بھی انقلابات
عالم و مقتضیات فطرت کو کون مانع ہے اُس مین دھوپ سے دراڑین
پڑینگی کیڑے اُسے چھلنی کرین گے حشرات الارض اُسے اپنا مسکن
بنائین گے مینھ کے تیر اُس پر برسین گے۔ سیل اُدھر آئے گی پانی
اس مین مرے گا زلزلے اُسے کروٹ بدلوائین گے آندھیان اُسے
اُڑائینگی راہگیر اُسے پامال کرین گے جب کوئی خبر لینے والا ہی نہین
ایک مدت بعد اس عبرت خیز منظر پر فنا کا پردا گرے گا حضرت میر یہی
رماتے ہین کہ جب تک قبر رہی اُسپر بیکسی برستی رہی ایک مدت بعد قبر
ی نہ رہی اور یہی آل انتہاے بیکسی ہے مختصر یہ کہ
رت تلک کے ٹکڑے سے اُس زمانہ دراز کا گریہ خیز و عبرت انگیز
ظر آنکھون مین پھرنے لگا۔ خیال۔ انداز بیان۔ انتخاب الفاظ سب مطابق
قعہ ہین پہلے مصرعہ مین "گور" قبر کے معنی کا ایک عام لفظ رکھا تھا دوسرے
صرع مین بیان کو زیادہ موثر و دلگداز بنانے کے لیے "ہماری خاک کہا
یہ حشو کہنا سخن سنجی کے گلے پر چھری پھیرنا ہے مین اپنے مفہوم کو زیادہ
تحکم کرنے کے لیے یہ بھی کہے دیتا ہون کہ بیکسی اُن کی قبرون پر برستی
جنکے چاہنے والے اور خاندان نیست و نابود ہو جاتے ہین یا جن کے
ہ واجبا ایسے نااہل ہوتے ہین کہ جسدن سے دفن کر آئے اُدھر
بھی نہ دیکھا اور قبر ایک مٹی کے چراغ اور چار پھولون کو ترسا کی فاتحہ خوانی کا
گذر نہ ہوا پھر قرآن خوانی و مجلس عزا و میلاد کا کیا ذکر ہے قبر مین

شکستگی کے آثار پیدا ہوئے تو کسی نے خبر لی سیل بہا لیگئی تو کسی کو
پروا نہوی ایک دن قبر پر چھاڑو دیدی گئی پھر عرس کہان کا اور چادر
کس کی۔ اس کا انجام کیا ہے قبر کا مٹ جانا ایسی قبرین یا معدوم خاص
ہوتی ہین اور پختہ بھی ہون تو کب تک رہین گی طاق کسری تو کھنڈر ہوکے
رہگیا پھر معمولی قبرون کی کیا بساط ہے اس وقت میری روح ذلفت
علام سے یہ کہہ رہی ہے ؎

کہ سالکہ ہیچ نفہمیدہ اند در ہمہ عمر
بعیب جوئی من جملہ نکتہ دان شدہ اند

۲۔ اب دوسرے ٹکڑے پر نظر فرمائیے یعنی جو ہماری خاک پر سے ہوکے
گذرا رو گیا یہان خاک قبر کے معنون پر ہے اسمین پہلی بات تو یہ داد کے
قابل ہے کہ مصنف نے گور کا لفظ دوبارہ استعمال نہین کیا دوسری بات
یہ ہے کہ قبر۔ مقبرہ۔ مزار مین سے کوئی لفظ نہین رکھا اور یہ انتہا کی بلاغت
ہے اور انتخاب الفاظ کی معراج یعنی کوئی لفظ ایسا نہین رکھا جسمین
شان نکلتی ہو بلکہ پہلے مصرع مین گور کہا اور دوسرے مین "ہماری خاک"
تاکہ بیکسی مین کچھ اور اضافہ نظر آئے اس لفظ سے کس مپرسی کی کیفیت
کچھ اور بڑھ گئی اور میرے قبر کی بیکسی اور اداسی سب کا مرقع صرف "ہماری خاک"
کہکر دکھا دیا خاک یعنی قبر اس محل پر ایسا لفظ ہے جو اپنے معانی کی
تصویر ہے اور اہل فن جانتے ہین کہ ایسے لفظ رکھدینا جنمین اپنے مفہوم
کی تصویر بھی ہو زیادہ اثر رکھتا ہے جیسے جاے دلالت کیلئے لفظ الراس

(سر کے گرنے کی جگہ) اس لیے کہ اکثر بچہ سر کے بل ہی پیدا ہوتا ہے اسکے سوا بحر تھی طولانی - میرے نے پہلے مصرع مین "مدت تلک" اور دوسرے مصرع مین "جو ہماری خاک پر" کے ٹکڑے رکھکر حشو اس خوبصورتی سے سمویا ہے کہ بے اختیار واہ نکل جاتی ہے - کاش مؤلف کتاب فن کے عام مسائل ہی سے واقف ہوتا -

ہماری شاعری کا مقدمہ آخری اشاعت صفحہ ۴۹

ارشاد ادیب "تیسری مثال نظیر کا ایک قطعہ ہے

ایکدن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن
کیا کہون اُسوقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے
پاؤن پڑتے ہی غرض اس استخوان نے آہ کی
اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو رکھتے جان تھے
دست و پا، زانو، سر گردن شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھ اور سننے کے خاطر کان تھے
ابرو بینی جبین نقش و نگار و خال و خط
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
دن کو خاطر بیٹھنے کے تخت اور ایوان تھے
ایک ہی جھٹکا اجل نے آن کر ایسا دیا

پھر نہ تو ہم تھے نہ وہ سب عیش کے سامان تھے
ایسی بے رحمی سے مت رکھ پاؤن ہم پر اے نظیر
اومیاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

اب اس کے مقابلہ مین میر کا قطعہ دیکھئے۔

قطعہ

کل پاؤن ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا — یکسر وہ استخوان شکستون سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ سے بے خبر — مین بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا

دونون شاعرون نے ایک ہی طرح کا واقعہ بیان کیا ہے اور ایک ہی اثر لیا ہے مگر جو زور اور جتنا اثر میر نے دونون شعرون مین بھر دیا ہے اُس کا عُشر عشیر بھی نظیر کے سات شعرون مین نہ سما سکا اس کے اور اسباب بھی ہون گے لیکن خاص سبب یہی ہے کہ میر نے اختصار سے کام لیا اور نظیر نے بیکار طول دیا۔ نظیر بھی اگر اختصار پر نظر رکھتے تو اُن کے قطعہ مین بھی اثر کا ایک عالم ہوتا۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے قطعے سے شروع کے دو شعر اور آخر کا ایک شعر لے لیا جائے اور درمیان کے چار شعر نکال دیے جائین، تو یہ قطعہ بن جاتا ہے۔

قطعہ

ایک دن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن
کیا کہون اُس وقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے
پاؤن پڑتے ہی غرض اُس استخوان نے آہ کی

اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو رکھتے جان تھے
ایسی بے رحمی سے مت رکھ پاؤں ہمپر اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

"اب اس مختصر قطعہ کا اُن کے اصل قطعہ سے مقابلہ کیجئے اور دیکھئے کہ اختصار سے کلام مین اثر کیونکر پیدا ہو جاتا ہے"

التماس پنجو - اللہ اکبر اس حسن پر یہ بے نیاز بیان ہم مؤلف کتاب کی خاطر سے کچھ دیر کے لئے مانے لیتے ہین کہ نظیر کے قطعے مین کچھ اشعار سست ہین مگر اس سے یہ نتیجہ کون نکال سکتا ہے اور کیونکر نکال سکتا ہے کہ اسکا سبب اشعار کی زیادتی ہے - ہان اگر ضرورت ہو تو شعر آلودہ نصیحت ضرور کیجا سکتی ہے کہ جب طبیعت مساعدت نہ کرے تو زبردستی شعر نہ کہو اور اگر رد مین کہہ گئے ہو تو چست اشعار انتخاب کر لو - لیکن اشعار کی چستی اور خوبی کو اختصار کی معجز نمائی سمجھنا دانائی نہیں - قطعہ قصیدہ پانچ پانچ شعر کے ہوتے ہین مگر ان مین سے ایک شعر بھی نکال ڈالنا آسان نہین ہوتا - ہم دو مختصر سے قطعے نقل کرتے ہین اور ہے کوئی جو ان مین سے ایک شعر بھی حذف کر دینے کی قدرت رکھتا ہو -

قطعہ غالب ، بے ثباتی عیش دنیا

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل — زنہار اگر تمھین ہوس نا و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
لطفِ حرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنت نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گلفروش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

قطعہ ہاتف اصفہانی در باب بلندی ہمت

خار بدرودن بمژگان خارہ بشکستن بدست
سنگ خائیدن بدندان کوہ بپریدن بچنگ
لب باد نبال عقرب بوسہ بر دندانِ مار
پنجہ با چنگال شیران عرض در کام نہنگ
از سرِ پستان شیر شرزہ دوشیدن حلیب
وز بنِ دندانِ مار گرزہ نوشیدن شرنگ
تیرہ غولے روز بر گردن کشیدن خیز خیز
پیرزالے در بغل شب برگرفتن تنگ تنگ
طعمہ بر کردن بہ خشم از کامِ شیرِ گرسنہ
صید بگرفتن بہ جبر از برِ تن غضبان پلنگ
تشنہ کام و پا برہنہ در تموز و سنگلاخ
رہ بریدن بے عصا فرسنگہا با پائے لنگ

نقشہا بستن شگرف از کلک مو رآب تند
تھبہا کردن پدید از خارتر بر خارہ سنگ

صد رہ آسان تر بود بر من کہ در بزم لاکم
بادہ نوشم سرخ سرخ و جام چشم رنگ رنگ

چرخ گرد از ہستی من گر بر آرد گو آر
دور باد از دور از دامان ناخم گرد ننگ

اب ہم ذرا دیر کیلئے مؤلف علام کی خاطر سے نظیر کے قطعہ مین چستہ اشعار بڑھائے دیتے ہین اور انھین قافیون کا التزام رکھتے ہین اس استخوان کو نکالے ڈالتے ہین

قطعہ

ایک دن اک استخوان پر جا پڑا امیر اجو پانون
کیا کہون اُسوقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے
پانون پڑتے ہی غرض اُسنے بھری اک آہ سرد
اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو رکھتے جان تھے
بارقہ در پر جبین تھی صاعقہ در کف نگاہ
جلوہ پرور آنکھ تھی اور نغمہ پرور کان تھے
اہل دل کو طور کے جلوے دکھاتی تھی ہنسی
لب حجاب قدس تھے حسن ازل دندان تھے
جگمگاہٹ تخت کی وہ تھی کہ شرماتا تھا مہر
آسمان بھی جن سے شرمندہ تھے وہ ایوان تھے

ایک اک گوشہ تھا گھر کا غیرت باغ ارم
جو تصور مین نہ تیرے آئین وہ سامان تھے
ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤن مت رکھ اے نظیر
آج ایسے ہین کبھی لیکن خدا کی شان تھے

انکشاف راز یعنی تحقیق مقام

اب اس قطعہ مین جیسی بھی ہے بلندی بھی ہے زور بھی ہے شور بھی ہے اور ہمارے بڑھائے ہوئے اشعار نظیر کے ابتدائی اشعار سے نہ زیادہ رفیع المنزلت نظر آتے ہین مگر ذوق سلیم کہتا ہے کہ تمام معجزہ آرائیان یہ تمام قدرت نمائیان بے محل ہین اس لئے کہ قطعہ پابند ہے اپنے آخری شعر کا اور وہ شعر اس قطعہ کا یہ ہے۔

ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤن مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

شاعر نے آخر مین کہا تو یہ کہا کہ ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے اس لئے ضروری ہے کہ مصرعے ایسے لگائے جائین کہ قطعہ اس مصرع پر تمام ہو سکے ہم نے سب قافیے بٹھا دئے مگر جب آخری شعر پر پہونچے تو آخری مصرع بے لئے بغیر چارہ نہ ہوا ہمارا دعوی ہے کہ نظیر کے قطعہ مین کہین جھول نہین اس کی ابتدا یہان سے ہوتی ہے ؎

ایک دن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن
کیا کہون اسوقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے

اس شعر مین کہتا ہے کہ مین نے اس ہڈی پر دیدہ و دانستہ پاؤن نہین رکھا تھا

بلکہ جا پڑا تھا اس کی وجہ دوسرے مصرع مین بتاتا ہے یعنی اسوقت میرے
دل مین ہزارون خیال تھے اور مین اُنھین مین محو چلا جا رہا تھا کہ یہ واقعہ
پیش آیا۔ دوسرے مصرع مین دو ٹکڑے خصوصیت سے
لحاظ کے قابل ہین اول تو کیا کہون دوسرے کیا کیا دھیان تھے۔ کیا کہون کا
کا مفہوم تو یہ ہے کہ بیکار طول ہوگا یا وہ خیالات تھے جن مین الجھا ہوا
تھا قابل اظہار نہین ہین یا بیان مین نہین آسکتے۔ آگے بڑھکر کیا کیا دھیان
تھے، کہا ہے یہ ٹکڑا اسقدر معنی خیز ہے کہ انسان کے دل مین جتنے بھی خیال آسکتے
ہین سب اس کی شرح مین لکھے جا سکتے ہین۔

دوسرے شعر مین ؎

پاؤن پڑتے ہی غرض اُس استخوان نے آہ کی
اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو رکھتے جان تھے

بظاہر لفظ غرض، بھرتی کا معلوم ہوتا ہے مگر ایسا نہین ہے کیا کہون
اُسوقت میرے دل مین کیا کیا دھیان تھے یعنی مین اپنے خیالات سے
قطع نظر کرتا ہون اور واقعہ بیان کرتا ہون یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ پاؤن
پڑتے ہی اُس ہڈی نے ایک آہ کھینچی۔ اور کہا کہ اے ظالم آج یہ حال ہے
مگر کبھی ہمارے بھی جان تھی۔ ابھی تک اُس ہڈی نے صرف یہ کہا ہے کہ
ہم جاندار تھے یہ نہین بتایا کہ حیوانات کے کس طبقے مین سے تھے تیسرے
شعر مین ؎

دست و پا زانو سر و گردن شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھ اور سننے کی خاطر کان تھے

بھی شعر اول کی شرح ہے۔ چوتھے شعر کے پہلے مصرع سے

ابرو نیمی جبین نقش و نگار و خال خط لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے

یعنی حقیقت کے چہرے سے نقاب سرکنے لگا اور کھل گیا کہ یہ بڑی کسی انسان کی ہے دوسرے مصرع نے یہ بتایا کہ معمولی انسان نہیں تھے بلکہ حسین و جمیل انسان تھے ہمارے ہونٹ اور دانت لعل و گوہر سے بہتر تھے جب یہ کہہ چکا کہ انسان تھے تو یہ کہا جا رہا ہے کہ صرف حسین ہی نہ تھے صاحب جاہ بلکہ صاحب تاج و تخت تھے ہمارے یہاں تمام سامان عیش مہیا تھے۔ چھٹے شعر سے تباہیوں اور بربادیوں کی ابتدا و انتہا کا سراغ ملتا ہے

ایک ہی جھٹکا اجل نے آن کر ایسا دیا

پھر نہ ہم تھے نہ وہ سب عیش کے سامان تھے

یعنی موت کے ایک ہی جھٹکے میں نہ ہم رہے اور نہ وہ عیش کے سامان رہے یہ شعر انسان کی مجبوری اور موت کی قدرت کا بے نظیر مرقع ہے۔ سب سے مراد وہ سامان جو متکلم کی نظر میں ہیں نہ اتنے ہی جتنے اوپر بیان کئے گئے آخر شعر میں۔ ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں رکھ لے نظیر

او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

میں التجائے رحم ہے اور اپنی امارت و جاہت اور حسن صورت سب کا ذکر کر چکنے کے بعد کہتا ہے کہ اس بیدردی اس بے رحمی سے ہمکو پامال نہ کر ارے بھائی ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے۔ مختصر یہ ہے کہ نظیر کا قطعہ ایک اثر کا عالم ہے اور اس میں ایک مسلسل تماشے کی شان پائی

جاتی ہے اور یون خیال کی تصویر لفظون مین نظر آنے لگتی ہے جیسے
عالم تصور مین تصویر یار بتدریج نمایان ہوتی ہے یا دریا کی پری دریا
سے اُبھرتے اُبھرتے بالائے آب نظر آنے لگتی ہے کیونکر کہون کہ
اس قطعہ مین سُست اشعار ہین۔

مؤلف علام نے اس قطعہ کے متعلق دو صفحے سیاہ کیے مگر نتیجہ کچھ
بھی نہین دعوی بیا دلیل ایسی بیان اختصار اور طول کو اثر سے کوئی
رابطہ ہے نہ بے اثری سے تعلق۔ یہ قطعہ میاں نظیر کی جیتی جاگتی تصویر
ہے بلکہ خود میاں نظیر اسمین جلوہ گر نظر آتے ہین ہنسی ہنسی افتادِ طبع ہی سادگی مزاج
وہی فروتنی وہی انکسار بیچارگی سے صاحب تخت و ایوان
سب کچھ کہا مگر آخر مین یہ کہہ کے چپ ہو رہے "او میاں ہم بھی کبھی
تیری طرح انسان تھے" میاں نظیر کا عام انداز یہی ہے اُن کے
کلام پر نظر کرنے اور تذکرون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی
طبیعت مین دریا کی روانی تھی مشاہدات کا چربا اُتارنے مین مانی و بہزاد کے
اُستاد تھے ہان خیالات مین بلندی کم تھی شعر مین زیادہ جگر کاوی نہ کرتے
اُنکی نظمین اکثر فرمائشی ہوتین اور فرمائش کرنے والون کیلئے کسی شعر خاص
کی قید نہ تھی جب کوئی فرمائش ہوئی جو ذہن مین آیا قلم پرداختہ لکھ دیا
نظر ثانی کرنا اُنکی خو نہ تھی مگر اس قطعہ مین الفاظ نہین رہ گئے جڑ دیئے
ہین قصہ مختصر نظیر کا یہ قطعہ سوز گداز کا مرقع ہے اور درد و اثر کا طلسم
اور مؤلف علام کی دسترس سے باہر ہے۔ اس مین شک نہین ہے کہ

اُس اُستخوان کے ٹکڑے مین تنافر کلمات ہے اور البتہ بُرا معلوم ہوتا ہے
اب رہا میر کا قطعہ اُس کے لاجواب ہونے مین جسے شک ہو
کافر ہے اس قطعہ مین بھی خود میر نظر آتے ہین وہی جلال وہی تنک مزاجی
وہی بانکپن۔ سوز و گداز نظیر کے قطعہ مین جلوہ گر ہے تو ہیبت و استحقار
میر کے قطعہ مین دیکھئے ناسہ

کہنے لگا کہ دیکھ چل راہ بے خبر مین بھی کبھی کسی کا سرِ پُرغرور تھا

مین وہی سپاہی کے بگڑے ہوئے تیور ہین۔ نظیر کے قطعہ مین
نرمی اور نصیحت ہے میر کے قطعہ مین گرمی اور نصیحت۔ میر کے
قطعہ مین غرور سے پہونچنے والی تکلیف کا اظہار ہے اور اپنی اہانت
پر غصہ۔ نظیر کے قطعہ مین پامال ہونے کی تکلیف کا اظہار ہے اور
بیدردی کا شکوہ ۔ رحم کی التجا ہے اس لئے دونون کا تقابل
لایعنی سی بات ہے علاوہ اس کے میر کا پاؤن پڑا ہے کاسۂ سر
پر نظیر کا پاؤن پڑا ہے ایک ہڈی پر جو خدا جانے کس کی اور کہان
کی تھی اس لئے اُس نے پہلے اپنے کو جان دار بتایا پھر انسان
پھر خوبصورت انسان پھر صاحب جاہ و دولت اور آخر مین کہا
کہ ان سب باتون سے قطع نظر کرکے صرف اتنا ہی سمجھ لے کہ
ہم تیری طرح انسان تھے اور ہم پر رحم کر۔ ایسی بیدردی
بھی کیا۔ نظیر نے ابتدا ہی سے یہ کہدیا کہ استخوان نے آہ سرد
کھینچی اور پامال کرنے والے کے اس فعل کو بیدردی اور

بے رحمی سمجھا اُن کو بھول کر بھی یہ خیال نہین آیا کہ غرور اس کا باعث ہے اور یہین سے ان کا انداز طبیعت جھلکتا ہے میر کا پاؤن پڑا کاسۂ سر پہ اور اُس سر نے کہا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر مین بھی کبھی کسی کا سر پُر غرور تھا یعنی یہان اگرچہ پاؤن کا سر پہ بے ارادہ جا پڑا تھا مگر سمجھا یہ گیا کہ غرور کے سبب سے ٹھکراتا ہوا چلتا ہے اس لئے آگے بڑھکر کہا ہے، مین بھی کبھی کسی کا سر پہ غرور تھا۔ یاد رہے کہ مغرور سے خطاب کا انداز اہل دل کے ہان اور ہے اور بیدرد ظالم سے اور۔ میر کے قطعہ مین ایک بات یہ بھی ہے کہ صاحب سر کی تنک مزاجی کا آئینہ ہے اس لئے کہ جہان کوئی بات ایسے مزاج والون کے خلاف گذری اُن کے تلوون سے لگتی ہے سر مین بجھتی ہے اور فوراً نہایت تند و تلخ بات کہہ اُٹھتے ہین نظیر کے قطعہ مین اطناب ہے اور میر کے قطعہ مین ایجاز نظیر کے قطعہ مین ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اُس کو اپنی موجودہ بے بسی اور بے سروپائی کا بھی احساس ہے اس لئے گرمی نہین کرتا نرمی کرتا ہے۔

ایسی بے رحمی سے ہمپر پاؤن مت رکھ اے نظیر
او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

اس شعر مین یہ ٹکڑے ایسی بے رحمی سے ہمپر پاؤن مت رکھ اے نظیر، اور او میاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے،

کس قدر دلگداز اور ترحم انگیز ہین۔ ماہر نفسیات جانتا ہے کہ جس نصیحت مین ناصح کے تیور بگڑتے ہوئے ہون وہ دل پر اثر تو کرتی ہے مگر ناصح کی طرف سے نفرت بھی پیدا کرتی ہے مگر مغرور کو اسکی پرواہ ہی کب ہوتی ہے یہ بات میر کے قطعہ مین ہے نظیر کے قطعہ مین یہ اثر ہے کہ نفرت کی جگہ انفعال پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ گداز دل بھی اور اس طرح کی نصیحت کا اثر زیادہ گہرا ہوتا ہے مختصر یہ کہ

مصرع لطیف بود حکایت دراز تر گفتم

ایک بات یہ بھی ہے۔ نظیر نے نہایت ہی نرمی سے اپنا صاحب تاج و تخت ہونا بیان کیا ہے میر نے صرف سر کو سر پر غرور [illegible] میر کے قطعہ مین اگر زیادہ اشعار ہوتے تو ماہر جذبات انسانی کہنا مشکل ہو جاتا۔

نوٹ۔ مین نے میر کے قطعہ کی زیادہ توضیح نہین کی۔ اس لئے کہ اس کی جیسی اس کی تاثیر اس کے جوش و خروش کا اعتراف خود مؤلف علام نے کیا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہماری شاعری کا مقدمہ اشاعت آخر صفحہ ۳۷

بلندی خیال کی مثالین ارشاد ادیب

بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا

حضرت یاس عظیم آبادی

التماس بیخود۔ جناب ادیب نے حضرت یاس عظیم آبادی کے اس شعر کو بلندی خیال کی مثالون مین صفحہ ۳۷ پر جگہ دی ہے اور کسی مستفسر کے استفسار پر ضمیمہ کتاب صفحہ ۱۹۲ سے صفحہ ۱۹۶ تک اس کی شرح فرمائی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے اور شعر کی تنقید کر کے دکھایا گیا ہے کہ من چہ سرایم وطنبورہ من چہ می سراید کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے

~~شرح جناب ادیب~~۔ جناب مؤلف کی دی ہوئی مثالین زیادہ تر ایسی ہی ہین یعنی غلط ہین سقیم ہین بے محل ہیں .....

..... شرح جناب ادیب .....

ارشاد ادیب۔ شاعر کا خیال ہے کہ جس کو بخت نارسا نہ ملا وہ بدنصیب ہے۔ ظاہر مین تو یہ ایک اجتماع ضدین معلوم ہوتا ہے مگر نکتہ رس نگاہ کو اسی ظاہری اجتماع ضدین مین ایک نہایت ہی بلند خیال چھپا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ عام لوگون کے نزدیک بخت کی رسائی خوش نصیبی اور نارسائی ہے کیا؟ اپنی خواہشون اور ارادون کا پورا ہونا یا نہ ہونا۔ تو عوام کے معیار کے مطابق خوش نصیب وہ ہے جس کی خواہشون

اور ارادون کا پورا ہونا یا نہ ہونا۔ تو عوام کے معیار کے مطابق خوش نصیب وہ ہے جس کی خواہشین اور ارادے پورے ہوتے رہین اور بدنصیب وہ ہے جس کی خواہشین اور ارادے پورے نہ ہون۔ لیکن شاعر انسان کے رتبے کی بلندی اور خواہشون اور ارادون کی کم حقیقتی پر نظر کرکے خوش نصیبی اور بدنصیبی کے اس معیار کو بہت پست سمجھتا ہے۔ اُس کے نزدیک خوش نصیبی اور بدنصیبی کا معیار خداشناسی ہے جو اصل مین مترادف ہے حق شناسی اور حقیقت شناسی کا اور جس سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی فضیلت انسان کے لئے ہو نہین سکتی یعنی خداشناسی کی فضیلت جس کو حاصل ہو وہ خوش نصیب ہے اور جس کو حاصل نہو وہ بدنصیب ہے۔

اب ایک طرف اس معیار کو نظر مین رکھئے اور دوسری طرف دیکھئے کہ جس شخص کو بخت یار سا نہین ملتا یعنی جس کی خواہشین اور ارادے ہمیشہ پورے ہوتے رہتے ہین وہ عیش و آرام مین پڑکر خدا کو بھول جاتا ہے اور خداشناسی اور خداپرستی سے محروم ہوکر ارادہ پرست ہوجاتا ہے۔ مگر جناب سید آل رضا صاحب نے ذیل کے شعر مین اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کام مرے۔ مرے بنائے بن نہ سکین خدا کرے
توبہ کہین شک آنہ جائے قدرت کارساز مین

اس کے برخلاف جس شخص کی زندگی تلخیون اور ناکامیون مین

گذرتی ہے اُس کا دھیان خدا کی طرف مائل رہتا ہے اور اس مین ارادہ پرستی پیدا نہین ہونے پاتی۔ ایک قدیم شاعر کہہ گیا ہے

"دُکھ مین ہر کو سب بھجین اور سُکھ مین بھجے نہ کوئے"

غرضکہ بالعموم (یہ بالعموم کی بات ایک ہی ہوئی) بخت نارسا انسان کو خدا شناس اور بخت رسا ارادہ پرست بنا دیتا ہے اور چونکہ شاعر کے معیار کے مطابق خوش نصیبی کا انحصار خدا شناسی کے حاصل ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔ اس لئے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جس کو بخت نارسا ملے وہ خوش نصیب ہے اور جس کو نہ ملے وہ بدنصیب ہے۔

اب ذرا شعر کے انداز بیان پر نظر کیجئے۔ خوش نصیبی اور بدنصیبی کا معیار بتانا شاعر کا مقصود نہین ہے اس کے نزدیک تو مذکورہ معیار بالکل مسلم ہے۔ اس لئے وہ اپنے بخت کی نارسائی پر پست خیال لوگون کی طرح واویلا نہین مچاتا بلکہ خوش ہوتا ہے اور فخر کے لہجے مین کہتا ہے۔ خدا شناسی اور خدا پرستی کی اگر تلاش ہو تو مجھ سے خوش نصیبون کو دیکھو جنھین بخت نارسا کی بدولت یہ فضیلتین حاصل ہوئی ہین۔

شاعر اپنے اس خیال کی بنا پر ظاہری بدنصیبی کو حقیقی خوش نصیبی سمجھتا ہے اور اس طرح غم مین خوشی مصیبت مین تسکین اور مایوسی مین اُمید کا ایک زبردست پہلو نکال کر اپنے دل کو افسردہ اور طبیعت کو مردہ نہین ہونے دیتا۔ اور مردانہ وار تمام تکلیفون کا مقابلہ کرنے کو تیار رہتا ہے۔

یہ شعر بنی ہے۔ حضرت علیؑ کے اس حکیمانہ قول پر "عرفت ربی بفسخ العزائم" یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہو جانے سے پہچانا التماس سخن ور۔ جناب مؤلف بھولتے ہیں کہ کامی پیہم کا یہ اثر بھی ہوتا ہے انسان ہستی واجب کا انکار کر بیٹھتا ہے اسمیں شک نہیں کہ مصرع ثانی (وہ بدنصیب جسے بخت نارسا نہ ملا) میں صاحب بخت رسا کو بدنصیب کہنا ایک جدت ہوتا اور اس کی داد نہ دینا مشرب سخن سنجی میں کفر قرار پاتا مگر جبھی کہ شعر بے معنی نہ ہوتا مصیبت تو یہ ہے کہ اچھا شعر نام ہے دو مصرعوں کے مجموعہ کا جس میں کوئی مفہوم شعریت لئے ہوئے ادا ہو جائے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس شعر میں کوئی مفہوم ادا ہی نہیں ہوا

شاعر کا مفہوم ذہنی تو یہ ہے کہ جس خود پرست (مغرور) کو بخت نارسا نہ ملا وہ بدنصیب ہے خودی کا بندہ ہے خدا شناس نہیں لیکن الفاظ شعر ادائے مطلب میں قاصر ہیں اور زبان الکن سے بھی زیادہ قاصر۔ اس شعر میں دو غلطیاں ہیں انہیں سے ایک غلطی تو اس لفظ کی ہے جس نے شعر میں ندرت خیال و جدت ادا کی جھلک دکھائی تھی۔ مگر ایک تاؤ کی کسر رہ گئی اور صرف تاپنے کے بالائی سطح پر کندن کی جھلک، پیدا ہو سکی باطن سیاہ کا سیاہ رہ گیا وہ جھلک بھی نگاہ نقاد کی گرمی پا کر اڑ گئی اور اب اس کی جگہ خالی سیاہی باقی رہ گئی ہے

شعر کی پہلی غلطی تو یہ ہے کہ شاعر نے تعمیم کی شان پیدا کر دی جو عقل و مشاہدہ دونوں کے خلاف ہے ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ

ہر ایک ایسا آدمی بدنصیب ہے جو بخت نارسا نہ رکھتا ہو اس قول کا صریح البطلان ہونا ظاہر ہے ایسے اقبالمند لوگ نایاب نہیں جو اپنے ارادوں میں برابر کامیاب ہوتے ہیں اور اُن کی بندگی اوج کمال کے مدارج طے کرتی جاتی ہے اور آخر میں ہمہ تن بندگی اور سراپا نیاز بن کر رہ جاتے ہیں بابر ابراہیم لودی اور رانا سانگا کے معرکوں میں مظفر و منصور ہوتے ہی سجدۂ شکر میں گرتا ہے اور بہت سے شاہنشاہ جب اپنی تمناؤں میں کامیاب ہوتے ہیں سجدۂ نیاز میں اُن کی پیشانی زمین عجز کو بوسے دیتی نظر آتی ہے اگر مبسوط اور متعدد تاریخیں دیکھنے میں تکلیف ہو تو صرف سیر المتاخرین کا مطالعہ ہی منکر کی تسکین قلب کے لئے کافی ہوگا ہاں ایسے اوچھے ایسے کم ظرف بھی ہیں (مگر بہت کم ہیں) جو ایک چلو میں بہک اُٹھتے ہیں بلکہ ایک بوند میں چھلک اُٹھتے ہیں۔ جناب ذوق علیہ الرحمہ کو یہی مفہوم ادا کرنا تھا ادا کیا مگر ضروری قیدوں کے ساتھ ؎

نشہ دولت کا بد اطوار کو جس آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

ذوق

اس تعمیم نے شاعر کا بسا بسایا گھر اُجاڑ کے رکھ دیا۔

میں نے یہ زحمت صرف ہماری شاعری کے مولف کی خاطر سے گوارا کی ورنہ مشاہدات عام کے متعلق نہ کسی دلیل کی حاجت

ہوتی ہے نہ کسی ثبوت کی ضرورت

دوسری غلطی۔ پہلے مصرع یعنی بجز ارادہ پرستی خدا کو کیا جانے میں ارادہ پرستی کا ٹکڑا امراد قائل سے بیزار ہے اس لئے کہ شاعر کا مفہوم ذہنی صرف یہ تھا کہ بعض ایسے لوگ جو اپنی ہر تمنا اور اپنے ہر ارادہ میں کامیاب ہوتے ہیں وہ مغرور و خود پرست ہو جاتے ہیں اور خدا دانی و خدا پرستی و خدا شناسی سے دور جا پڑتے ہیں اپنے امور میں خدا سے برکت نہیں چاہتے شکرانۂ نعمت میں زبان نہیں ہلاتے دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے بلکہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا ہماری ہے جو ہم چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے بلکہ زمانہ ہم ہیں جسے چاہیں معراج پر پہونچائیں جسے چاہیں تحت الثریٰ میں گرائیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کو بھول بیٹھتے ہیں اور یہی انتہا کی بدنصیبی ہے مگر خود پرستی یا خودی کا مفہوم ادا کرنے والا کوئی لفظ شاعر صدت طراز کو نہ مل سکا اور لگی اُلٹی گنگا بہنے۔ میں اپنے مفہوم کو زیادہ واضح کئے دیتا ہوں۔ ارادہ پرستی۔ ارادہ کی پرستش کرنا ظاہر ہے کہ یہ ٹکڑا اتنا اصل مفہوم کے خلاف ہے کہیں ایسے لوگ ارادہ کی پرستش کرتے ہیں ارادہ خود اُن کی پرستش کرتا ہے یعنی ادھر ارادہ ہوا اُدھر کامیاب ہوئے شاعر نے یہاں عبد کو معبود اور معبود کو عبد بنا دیا ایسے جو بندہ تھا وہ خدا ہے اور جو خدا

تھا وہ بندہ ہے اس لئے جب تک ارادہ پرستی کا ٹکڑا شعر مین موجود ہے معنی کرسی نشین ہو نہین سکتے اور لفظون مین تلوار چل جانا اسی کا نام ہے ارادہ کی پرستش کرتے ہین وہ لوگ جو بار بار اپنی کوششون مین ناکام رہتے ہین مگر اُس کام کو یہ کہکر نہین چھوڑ بیٹھتے کہ بھاری پتھر دیکھا چوم کر چھوڑ دیا اور چھوڑتے کیون نہین اس لئے کہ بات کے دھنی اور دُھن کے پکے ہوتے ہین۔

اگر وہی مفہوم ادا کرنا تھا جو ہم نے شاعر کے مفہوم ذہنی کے تحت مین بیان کیا ہے اور جس کے سوا کوئی مفہوم صحیح اس محل پر ہو ہی نہین سکتا تو ارادہ پرستی اور بدنصیب کے ٹکڑون کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھنا تھا اور یون کہنا چاہئے تھا۔ ؎

خودی کے بت کا ہے بندہ خدا کو کیا جانے
وہ خود پرست جسے بخت نارسا نہ ملا

ندرت خیال اس شعر مین تھی ہی نہین اس لئے کہ یہ عرفت ربی بفتح الغرائم کے مشہور قول کا چربا ہے جدّت ادا کی چھائون اسپر ضرور پڑی تھی مگر پڑتے ہی غائب ہو گئی اس کا سبب یہ ہے کہ شاعر نے ادائے مطلب کی بنیاد لفظ بدنصیب پر رکھی تھی وہ شعر مین کسی طرح نہ رہ سکی اور اُسے پُرغرور یا خود پرست کیلئے جگہ خالی کرنی پڑی تو جب یہ ہی اُکھڑ گئی تو وہ سر بفلک کشیدہ عمارت جو صرف مصنف کے عالم خیال مین جلوہ گر تھی اُڑ اُڑا کے

بیٹھ گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے اس محل پر اپنا یہ شعر بے اختیار یاد آتا ہے ۔

بیخود موہانی

خیال آرزو ہی تھا کہ یاس نے یہ دی خبر
وہ کعبہ تیرا اڑھ گیا ابھی جو بن چکا نہ تھا

اب اگر جناب ادیب کی شرح کا خیال کر کے سکوت کیا بھی جائے تو لسان الغیب کی یہ آواز فضا میں گونج رہی ہے ۔

ع این دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

باقی آئندہ

یار زندہ صحبت باقی

بندۂ ناچیز خاکسار محمد احمد بیخود موہانی
(ایم۔اے منشی فاضل)
پروفیسر شیعہ کالج لکھنؤ
۱۵ر نومبر ۱۹۳۴ء

۸۹۱۵۴۳۱۹
۴۸۰
(۱۴۰)
DUE DATE

۴۴ ۸۹۱۵۴۳۱۰۹
۱۴
۳۲۸۹۱

Date	No.	Date	No.